© rasailojaraid.com

حکومتی موقف ۔۔۔ ایک معما؟

اصغر عبداللہ

تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ کی امین، اسلام آباد کی لال مسجد کے نائب خطیب غازی عبدالرشید اور جامعہ حفصہ کے معصوم طلبہ و طالبات کی مظلومانہ شہادت نے، مملکتِ خداداد پاکستان کے ہر دل دردمند کو دہلا دیا ہے۔ آدمی سوچتا ہے اور کانپ اٹھتا ہے اور بے اختیار آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔ کہتے ہیں کہ حکومت اور سیاست کے سینے میں دل نہیں ہوتا، پتھر ہوتا ہے۔ مگر فریاد کناں لال مسجد کے زخمی مینار، جامعہ حفصہ (بہ نام، ام المؤمنین سیدہ حفصہ ؓ) کے گولیوں سے چھلنی در و دیوار، بہتے خون سے رنگین اس کے فرش، طلبہ و طالبات کے کھلے، ان کھلے پرانے ٹرنک، بکھرے ہوئے قرآنی قاعدے، بچوں کی ٹوپیاں خون سے لتھڑی ہوئی، بچیوں کے دوپٹے سرخ مہندی سے رنگے ہوئے، قیامت کا یہ سماں، حشر کا یہ منظر، آدمی دیکھتا ہے، مگر دیکھ نہیں پاتا، آنکھ کہتی ہے، کیا ارض پاکستان میں یہ دیکھنا بھی باقی تھا؟ دل کہتا ہے، یہ کیا ہو گیا ہے؟ ارض پاکستان کو یہ کس کی نظر لگی ہے؟ لال مسجد کے تقدس کا افواج پاکستان کے ہاتھوں پامال ہونا اور جامعہ فریدیہ، جامعہ حفصہ میں زیر تعلیم طلبہ و طالبات کی مظلومانہ موت، ایک ایسا سانحہ ہے، جو اہلِ پاکستان کو ہمیشہ تڑپاتا رہے گا اور ان کو خون کے آنسو رلاتا رہے گا۔ شہدائے لال مسجد کی روحیں، اہل پاکستان سے یہ سوال کرتی رہیں گی:

ہم تو مجبور وفا ہیں، مگر اے جان جہاں — اپنے عشاق سے ایسے بھی کوئی کرتا ہے
تیری محفل کو خدا رکھے، ابد تک قائم — ہم تو مہماں ہیں گھڑی بھر کے، ہمارا کیا ہے؟

❶ غازی عبدالرشید کے طریق کار سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، مگر غازی عبدالرشید اور ان کے ساتھیوں نے اپنی جان دے کر ثابت کر دیا ہے کہ ان کا جذبہ صادق، ان کا عزم راسخ اور ان کا ایمان کامل تھا۔ زندگی اندیشہ سود و زیاں سے برتر چیز ہے۔ دل دانا کو موت کی پروا نہیں ہوتی ہے۔ اس کے لیے یہ ایک خدائی راز کا منکشف ہونا ہے۔ بہ قول اقبال کے: ہے کبھی جان اور کبھی تسلیم جان ہے زندگی۔

لال مسجد کے خلاف آپریشن، جہاں حکومت کی سنگ دلی کا ثبوت ہے، وہاں اس سے حکومت کی انتظامی اہلیت اور اس کی Forces کی Professinal Skill بھی ایک سوالیہ نشان بن گئی ہے، حکومت اور Forces کا کہنا تھا کہ آپریشن ناگزیر ہے، مگر اسے "پیشہ ورانہ مہارت" سے روبہ عمل لایا جائے گا۔ یہ بھی کہا گیا کہ تاخیر اسی لیے ہو رہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی ہے۔ آپریشن مکمل ہو چکا، تو معلوم ہوا کہ آپریشن کے بعد، اندر موجود طلبا، طالبات میں سے کوئی زندہ نہیں بچا، صرف وہی لوگ بچ سکے ہیں، جو آپریشن سے پہلے پہلے، خود لال مسجد انتظامیہ کی طرف سے بہ حفاظت باہر بجھوا دیے گئے (باہر آنے والوں کے بیانات سے اس کی تصدیق ہو چکی ہے)۔ سوال یہ ہے، آخری آپریشن کے دوران میں، اگر آپ کا زور صرف مارنے ہی پر رہا ہے تو پھر اس میں آپ کی پیشہ ورانہ مہارت کیا ہے؟ اس کا مطلب تو یہ ہے کہیں بھی آمنے سامنے کا مقابلہ نہیں ہوا۔ مسجد اور جامعہ کے اندر جا بجا شگاف، آگ اور دھواں، یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے کہ زیادہ تر بموں ہی کا استعمال کیا گیا۔ طلبہ وطالبات کی جان بچانے کے لیے Forces کی جانب سے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کی حکمت عملی کے آثار کہیں دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ حیرت تو یہ ہے، جن ''غیر ملکیوں'' کے اندر موجود ہونے کا دعوی اور چرچا کیا جاتا رہا ہے، ان کے بارے میں بھی یہی بتایا جا رہا ہے کہ ان میں سے نہ کوئی زندہ بچا ہے، نہ کسی کی لاش قابلِ شناخت ہے۔ حکومتی میڈیا کی جانب سے، خانہ پری کے لیے جو تصویریں جاری کی گئی ہیں، ان سے متعلق حکومتی دعوے کو سچ سمجھنے کے لیے لازم ہے کہ آدمی پہلے تو مشرف بہ حکومت ہو اور پھر مشرف حکومت پر اس کا اعتماد 'ایمان' کے درجے کو پہنچا ہوا ہو۔ حیرت ہوتی ہے اور اس سے بھی زیادہ افسوس، جب (اس کے باوجود) آئی ایس پی آر کی طرف سے جامعہ حفصہ کے خلاف آپریشن کو کامیاب کہا جاتا ہے اور جنرل پرویز مشرف کی جانب سے آپریشن کے ''ذمے داران'' کو ان کی ''پیشہ ورانہ مہارت'' پر خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے، لال مسجد کے خلاف فوجی آپریشن نے جہاں (جیسے کہ قاضی حسین احمد نے کہا ہے) فوج اور راسلام پسند عوام کے درمیان خون کی ایک لکیر کھینچ دی ہے، وہاں Professional Skill Forces کو بھی گہنا دیا ہے۔

❷ آپریشن سے پہلے اور آپریشن کے بعد، حکومت مسلسل یہ کہہ رہی ہے کہ غازی عبدالرشید نے، مسجد کے اندر عورتوں اور بچوں کو ڈھال بنایا ہوا تھا۔ حکومت تو جیسے پہلے کہتی رہی ہے، ویسے ہی آئندہ بھی کہتی رہے گی، اس لیے کہ عام طور پر ہماری حکومتوں کو دعوی کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ ایک ہی دلیل، بس طاقت کی دلیل کافی ہوتی ہے۔ حکومتوں کو غالباً اس سے بھی کوئی غرض نہیں کہ عوام ان کے دعووں کو کس طرح دیکھتے ہیں اور ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ شواہد سے ثابت ہو چکا ہے کہ جامعہ حفصہ کے اندر کوئی یرغمال نہیں تھا۔ یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ Forces نے غازی عبدالرشید اور جامعہ حفصہ کے طلبہ وطالبات کے خلاف فوجی آپریشن ''دشمن کے خلاف جنگ'' کی اسٹریٹیجی کے ساتھ کیا۔ جنگ میں جیسا کہ ہوتا ہے، حملے سے پہلے دشمن کے خلاف زبردست پروپیگنڈا کیا جاتا ہے، اس کے موقف کو اخلاقاً اور قانوناً غلط باور کرایا جاتا ہے۔ جھوٹ سچ کو اس طرح باہم ملا کر پیش کیا جاتا ہے کہ عوام میں انسانیت کے ناتے بھی دشمن سے ہم دردی کا جذبہ پیدا نہ ہو۔ Forces نے یہ نہیں سمجھا کہ جن کے خلاف وہ لڑنے جا رہے ہیں، وہ انہی کے مسلمان بھائی ہیں اور انہی کی طرح ہمت، جرأت اور ولولہ رکھتے ہیں۔ اس کا ایک واضح ثبوت تو پہلے روز ہی مل گیا، جب غازی عبدالرشید نے حکومتی وزرا کے دھمکی آمیز بیانات پر، ان سے کہہ دیا کہ ان کے ساتھ اس طرح بات نہ کی جائے۔ وہ آبرومندانہ سمجھوتہ کرنے کے لیے آمادہ ہیں مگر جھکنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ Forces نے یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی نہیں سمجھا کہ معاملہ ایک مسجد کا، اللہ کے گھر کا ہے، ایک دینی مدرسے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی تدریس کے مرکز کا ہے۔ اگر "جنگ" کے نام پر جھوٹا پروپیگنڈا ہوگا تو اس کے فائر بیک سے بچنا خود Forces کے لیے مشکل ہوگا۔ یہی ہوا ہے Forces کی جانب سے پہلے کہا گیا کہ غازی عبدالرشید نے اندر، طلبہ وطالبات کو یرغمال اور ڈھال بنایا ہوا ہے۔ جب باہر آنے والے طلبہ وطالبات نے بتایا کہ ان کو یرغمال قطعاً نہیں بنایا گیا تھا، بلکہ ان کی جان کی حفاظت کے لیے غازی عبدالرشید اور ام حسان صاحبہ نے ان کو زبردستی باہر بھجوایا ہے اور یہ کہ ان کو شہادت نصیب نہ ہونے کا بہت افسوس ہے۔ حکومت اور Forces کو سوچنا چاہیے، طلبہ وطالبات کے ان بیانات کے بعد، ان کے پلے کیا رہ گیا ہے؟ (ماسوا جماعت بدر، محمد علی درانی اور لندن پلٹ طارق عظیم کے) اس غلط بیانی کے بعد کہا گیا کہ غازی عبدالرشید اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں، خود یرغمال بنے ہوئے ہیں اور یہ کہ خود سے، وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے ہیں۔ جن لوگوں نے غازی عبدالرشید کی میڈیا کے ساتھ گفت گو سنی ہے، ان کے لیے حکومت کے اس موقف پر ایمان لانا مشکل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب بھی غازی عبدالرشید سے کوئی مطالبہ کیا جاتا یا ان کو کوئی تجویز دی جاتی، تو وہ اپنے ساتھیوں سے مشورے کے بعد، ہاں یا ناں، میں جواب دیتے۔ یہ عام سمجھ بوجھ کا معاملہ ہے کہ جب صورت حال ایسی نازک اور پیچیدہ ہو، کہ محصور افراد کی زندگیاں، باہم ایک دوسرے سے جڑی ہوں، تو ایک آدمی، اکیلا کیسے فیصلہ کر سکتا ہے؟ یہ نہ اخلاقاً مناسب ہے، نہ مصلحتاً۔ یرغمالی ہونا اور بات ہے، مشاورت شے دگر ہے۔ جو شخص، عین حالتِ جنگ میں، ان بچیوں کے مستقبل سے متعلق فکر مند ہے، جو اس کی دانست میں، اس کے بعد، بے آسرا ہو جائیں گی اور چوہدری شجاعت حسین سے استدعا کرتا ہے کہ اس کے بعد وہ ان بچیوں کی کفالت کی ذمے داری قبول کر لیں، (ان کی وصیت کے مطابق، چوہدری شجاعت حسین نے ان بچیوں کو اپنی کفالت میں لے لیا ہے۔) اس شخص کے بارے میں، حکومت کا یہ کہنا کہ وہ بچیوں کو ڈھال بنا رہا تھا، سمجھ سے باہر ہے۔ کون ہے جو بہ قائمی ہوش وحواس، حکومت کے اس بیان کو سچ ماننے کے لیے تیار ہوگا؟ دیکھنا یہ ہے، پھر حکومت نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی وجوہات بہ ظاہر دو تھیں:

1. غازی عبدالرشید کے بہادرانہ امیج کو ختم کرنا اور یہ ظاہر کرنا کہ وہ تو اپنی جان بچانا چاہتے ہیں، مگر ان کے ساتھی، ان کو بچ نکلنے نہیں دے رہے۔ یہ ایک پروپیگنڈا تکنیک تھی۔ شاید حکومت اس میں کام یاب ہو جاتی، مگر حکومت کی بدقسمتی غازی عبدالرشید نے، میڈیا سے خود رابطہ قائم کر کے، حکومت کی حکمت عملی کو اس بری طرح ناکام بنا دیا کہ خود حکومت کو لینے کے دینے پڑ گئے۔

2. ماڈریٹس کے لیے، یہ تصور کرنا مشکل تھا کہ ان کے مخالف، ان کی قاہرانہ طاقت کے مقابل اس طرح ڈٹ جائیں گے اور جان پر کھیل کے اپنے حامیوں میں نیا جوش، نیا خروش اور نیا ولولہ پیدا کر جائیں گے۔ اس لیے کہ روشن خیالوں کے نزدیک، موت تو بس ایک اندھیرا ہے۔ یرغمالی کی اصطلاح گھڑ کے، حکومت نے عوام کو یہ تاثر دینا چاہا کہ صرف گنے چنے لوگ ہیں اور وہ بھی، ان سے ڈرے ہوئے ہیں، گولیوں کی گھن گرج اور ٹینکوں کے گشت سن کر، بہت جلد قمیصیں اتار کے اور ہاتھ اوپر اٹھا کے باہر آجائیں گے۔ مولانا عبدالعزیز غازی کی گرفتاری کو بہ طور ایک مثال پیش کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا۔ حکومتی اسٹریٹیجی کی ناکامی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہے کہ غازی عبدالرشید کو جن ''غیر ملکیوں'' کا یرغمال بتایا گیا، ان کے بارے میں خود بی بی سی نے، جو لال مسجد کے خلاف حکومتی آپریشن کا سب سے بڑا حامی ہے، اپنی رپورٹ میں کہا ہے: ''جامعہ میں نہ کسی سرنگ کا سراغ ملا، نہ اندران غیر ملکیوں کی موجودگی کی تصدیق ہو سکی ہے، جن سے متعلق حکومت کا کہنا تھا کہ انہوں نے غازی عبدالرشید کو یرغمال بنایا ہوا تھا، نہ خودکش حملہ آوروں اور ان کی بیلٹس کا پتہ چلا ہے، نہ زیر زمین کسی بنکر کے شواہد ملے ہیں، بس گولیوں سے چھلنی دیواریں ہیں، ٹوٹی ہوئی کھڑکیاں ہیں، جلی ہوئی چار پائیاں ہیں، دھوئیں سے سیاہ چھتیں ہیں، طالبات کی چپلیں ہیں اور پلاسٹک کے برتن ہیں اور یا پھر وہ ''جوان'' ہیں جو جوتوں سمیت مسجد میں دندنا رہے ہیں اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا یہ مسجد کے احترام کے منافی نہیں؟ تو ان کا جواب ہوتا ہے، مسجد یہ اب کہاں رہی ہے اس کے بعد ایک عجیب طرح کی خاموشی چھا جاتی ہے۔''

③ لال مسجد آپریشن کے بعد سے تواتر کے ساتھ کہا جا رہا ہے کہ حکومت نے آخری وقت تک مفاہمانہ طرز عمل ر کیا، مگر غازی عبدالرشید اور جامعہ حفصہ کے طلبہ وطالبات نے مان کر نہیں دیا۔ ثبوت کے طور پر حکومت اس کی نسبت، آپریشن سے پہلے آخری رات کی مصالحتی کوششوں کا ذکر کرتی ہے۔ آخری رات کیا ہوا؟ جو کچھ Forces اور جنرل پرویز مشرف کے درمیان طے ہوا اس کا اندازہ تو اس بریکنگ نیوز سے لگایا جا سکتا ہے جو آخری رات سے ایک رات پہلے بریک ہوئی اور اس میں کہا گیا کہ جنرل پرویز مشرف نے لال مسجد کے خلاف آپریشن کی حتمی منظوری دے دی ہے۔ قبل ازیں، اسی روز وہ کہہ چکے تھے کہ لال مسجد والے باہر آجائیں، ورنہ مارے جائیں گے۔ سابق آرمی چیف جنرل مرزا اسلم بیگ نے، جنرل پرویز مشرف پر الزام لگایا ہے کہ وہ پہلے دن ہی سے لال مسجد کے خلاف خونی آپریشن کے لیے مائنڈ سیٹ کر چکے تھے۔ جنرل حمید گل کا بھی یہی کہنا ہے کہ لال مسجد میں غیر ملکیوں کی موجودگی کا شوشا چھوڑ کے، جنرل پرویز مشرف نے Forces کو گویا سنگل دے دیا کہ لال مسجد کے خلاف آخری آپریشن لازماً ہوگا۔ آپریشن کے بعد، جنرل پرویز مشرف نے قوم کو جس خطاب سے نوازا ہے، اس کے مندرجات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ آپریشن سے پہلے آخری رات، حکومتی نمائندوں، علما کے وفد اور غازی عبدالرشید کے درمیان جو مصالحتی فارمولا طے پایا، اس پر عمل کیوں نہیں ہو سکا تھا؟ حکومتی نمائندوں اور علما کے وفد کے موقف کو ملا کے، پڑھا جائے تو اس امر کی شہادت مل جاتی ہے کہ حکومت اور لال مسجد کے درمیان ایک فارمولے پر اتفاق ہو گیا تھا۔ کہا جاتا ہے، وزیر اعظم شوکت عزیز نے بھی، بہ ظاہر اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ یہ وہ مقام ہے، جہاں سے اس سارے معاملے کو سمجھنا نسبتاً آسان ہو جاتا ہے۔ ڈائریکٹر آئی ایس پی آر میجر جنرل وحید ارشد نے آپریشن کے بعد غالباً پہلی بار واضح طور پر کہا کہ فوج، حکومت کی درخواست پر، اس کی مدد کے لیے آئی تھی۔ ان کے ارشاد کا مطلب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ انتظامی اتھارٹی، حکومت ہے اور ان کا یہ کہنا، آئین پاکستان کے عین مطابق ہے۔ اس لیے کہ آئین پاکستان کی رو سے، وزیر اعظم ہی ملک کا چیف ایگزیکٹو، یا انتظامی سربراہ ہے۔ صدر کا ملک کے انتظامی معاملات سے، براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ سوال یہ ہے جب حکومتی نمائندوں (جن میں حکومتی پارٹی کے صدر اور وزیر مذہبی امور بہ ذات خود شامل تھے اور وزیر اعظم سے براہ راست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رابطے میں بھی تھے) نے ایک مصالحتی فارمولہ بنالیا تو پھر اس کی حتمی منظور کے لیے ایوان صدر جانے کا جواز کیا تھا؟ اگر Forces حکومت کی درخواست پر آئیں تو آپریشنل پوزیشن میں آنے کے بعد انہیں عملاً حکومتی احکامات کا پابند ہونا چاہیے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ جب اسلام آباد انتظامیہ پنجاب حکومت سے پولیس طلب کرتی ہے تو آپریشنل پوزیشن میں آ کے وہ اسلام آباد انتظامیہ کے تابع ہو جاتی ہے۔ پھر وہ کچھ بھی کرے، اس کا دوش پنجاب حکومت کو نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے اگر حکومت، جنرل پرویز مشرف کے پاس، ان کے آرمی چیف ہونے کے سبب گئی تو بھی اس کا جواز نہیں تھا۔ حکومت نے جو فوجی کمک منگوائی تھی، اس کو احکامات دینے کا حق، آرمی چیف کو نہیں "چیف ایگزیکٹو" وزیر اعظم کو حاصل تھا اور جو سفارش بھی اس کے لیے کی جانا چاہیے تھی، وہ حکومتی پارٹی کے صدر کی جانب سے ہونا چاہیے تھی۔ اگر حکومتی وفد، جنرل پرویز مشرف کے غیر آئینی صدر ہونے کا اپوزیشن کا دعویٰ نہ بھی مانا جائے، تب بھی آئین پاکستان کی رو سے صدر براہ راست انتظامی معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا ہے۔ یہ اختیار حتمی طور وزیر اعظم اور اس کی کابینہ کا ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود حکومتی وفد اگر مصالحتی فارمولے کو حتمی منظوری کے لیے صدر کے پاس لے کر گیا، تو اس کا مطلب صاف ہے۔ معلوم ہوتا ہے، یہ دراصل حکومتی وفد تھا، جس کو ایوان صدر نے یرغمال بنایا ہوا تھا۔ اگر یہ صورت حال نہ ہوتی اور حکومتی وفد کے پاس خود سے اختیار ہوتا تو یہ تنازع 9 جولائی کی صبح طلوع ہونے سے پہلے حل ہو جاتا، جیسا کہ توقع کی جا رہی تھی۔

❹ حکومتی وفد، خاص طور پر اس کے ایک ضرورت سے زیادہ سرگرم رکن، وزیر مملکت برائے اطلاعات ونشریات طارق عظیم (جن کو محمد علی درانی کے نعم البدل کے طور پر آگے لایا جا رہا ہے) نہایت شد و مد کے ساتھ دو باتوں کا ذکر کر رہے ہیں:

❶ ایک سانس میں کہتے ہیں: حکومت اور علما کے درمیان، آخری رات کسی فارمولے پر اتفاق نہیں ہوا تھا۔

❷ دوسری سانس میں کہتے ہیں: ایوان صدر سے آنے والے فارمولے کے مسودے اور پہلے مسودے میں، جو وہ لے کر ایوان صدر گئے، ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کے برعکس چوہدری شجاعت حسین نے، گول مول انداز میں کہا ہے، الفاظ میں تبدیلی تو ہوئی مگر مفہوم تبدیل نہیں کیا گیا۔

پہلی بات تو یہ ہے، اگر بہ قول طارق عظیم، علما اور حکومتی وفد کے درمیان، کسی فارمولے یا تجویز پر اتفاق نہیں تھا تو ایوان صدر سے منظوری لینے کا سوال کیوں پیدا ہوا؟ اصولی طور پر حکومتی وفد اور علما کے درمیان بنیادی امور میں اتفاق رائے کے بعد ہی ایوان صدر سے منظوری لینے کا مرحلہ آ سکتا تھا۔ پھر یہ کہنا کہ ایوان صدر سے آنے والے مسودے میں پہلے مسودے کے الفاظ تبدیل ضرور ہوئے، مگر مفہوم نہیں بدلا گیا، منطقی اعتبار سے درست معلوم نہیں ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے، اگر مفہوم نہیں بدلنا تھا تو الفاظ بدلنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ عام عقل و فہم رکھنے والا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ کسی مسودے میں، الفاظ بدلنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے، جب اس کے مفہوم میں تبدیلی لانا مقصود ہوتا ہے۔ یہ سوال بھی اپنی جگہ ہے کہ اگر واقعتاً مفہوم میں تبدیلی لانا مقصود نہیں تھا، تو ایسے حالات میں، جب کہ سینکڑوں بے گناہ لوگوں کی جانیں داؤ پر لگی ہوئی تھیں، الفاظ میں تبدیلی پر اصرار کیوں کیا گیا؟ اور اس سے بھی اہم سوال یہ ہے کہ اگر الفاظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تبدیلی، مفہوم میں تبدیلی کی نیت سے نہیں تھی تو ایوان صدر سے واپسی پر حکماً یہ کہنے کا مطلب کیا تھا کہ اب اس مسودے میں ایک لفظ بھی تبدیل نہیں ہوگا۔ یہ رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ آخری رات کے مذاکرات، حکومت میں موجود ایسے لوگوں کی جانب سے تصادم روکنے کی ایک آخری کوشش کے طور پر وقوع پذیر ہوئے جو دونوں طرف خون مسلم بہتا ہوا دیکھ رہے تھے اور شاید اس پشیمانی سے بچنا چاہتے تھے جو اب ہمیشہ انہیں کچوکے لگاتی رہے گی۔ ثابت کیا ہوا؟ یہ کہ بے چارے ان لوگوں کے پاس ایک نقطہ، ایک شوشا، بدلنے کا اختیار بھی نہیں تھا اور Forces کے نقطۂ نظر سے، یہ ایک اسموک بم تھا، جو لال مسجد کے خلاف آخری آپریشن سے پہلے پھٹا اور Forces نے اس سے جو کام لینا تھا لیا اور لے رہی ہے۔

❺ آپریشن ہوا، سو ہوا، مگر اب جنرل پرویز مشرف جو کچھ کر رہے ہیں یہ گویا، ان لوگوں کے زخموں پر نمک پاشی ہے، جو مرنے والوں سے اظہار ہمدردی کر رہے ہیں۔ مرنے والوں کی صحیح تعداد کو چھپایا جارہا ہے۔ سپریم کورٹ، لاپتہ افراد کو تلاش کرنے کے لیے حکم پر حکم صادر کر رہی ہے۔ مگر اب لوگ، زمین کے نیچے چھپ گئے ہیں، چھپا دیے گئے ہیں، عدالتی حکم سے ان کو کیسے واپس لایا جاسکے گا؟ ان کا مقدمہ کہاں دائر ہوگا؟ ان کا مقدمہ کون سنے گا؟ ان کا فیصلہ کب ہوگا؟ سوالوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے!!!

❻ کیا لال مسجد میں کوئی غیر ملکی ''دہشت گرد'' موجود تھا؟ اگر موجود تھا تو اس کا ثبوت کیا ہے؟ لال مسجد آپریشن سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، حکمران مسلم لیگ کے صدر چوہدری شجاعت حسین نے اعتراف کیا کہ لال مسجد انتظامیہ کے ساتھ، ان کے مذاکرات میں کسی مرحلے پر غیر ملکیوں کی موجودگی کا ذکر نہیں ہوا اور اس میں، انہوں نے وہ آخری بات چیت بھی شامل کی ہے جو غازی عبدالرشید نے آپریشن سے کچھ پہلے کی۔ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی کا کہنا بھی یہی ہے کہ نہ غازی عبدالرشید نے غیر ملکیوں کا ذکر کیا، نہ انہیں محفوظ راستہ دینے کی بات کی۔ یہ وزیر مذہبی امور اعجاز الحق ہیں، جنہوں نے آپریشن سے غالباً 48 گھنٹے پہلے، میڈیا کے روبرو اچانک دعویٰ کیا کہ ان کی اطلاع کے مطابق لال مسجد کے اندر غیر ملکی ''دہشت گرد'' چھپے ہوئے ہیں اور یہ کہ لال مسجد کے ''کمانڈ اینڈ کنٹرول اتھارٹی'' اصلاً وہی ہیں۔ جب وزیر موصوف سے پوچھا گیا کہ ان کی انفارمیشن کا سورس کیا ہے؟ تو جیسا کہ ان کا مزاج ہے، انہوں نے اس جواب طلبی کا برا مانا۔ صاف ظاہر تھا کہ لال مسجد کے خلاف فوجی آپریشن کو ابھی سے Justify کرنے کی حکومتی حکمت عملی کو بروئے کار لایا جارہا ہے۔ (بہ قول آئی ایس آئی کے سابق ڈائریکٹر جنرل حمید گل کے، حکومت کا یکایک یہ لائن لے لینا کہ لال مسجد کے اندر غیر ملکی دہشت گرد ہیں ایک طرح سے سگنل تھا کہ لال مسجد پر حملہ کرنے کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہے۔) حیرت ہے ایک طرف حکومت کا یہ دعویٰ ہے اور دوسری طرف چوہدری شجاعت حسین اور مفتی رفیع عثمانی دونوں نے متفقہ طور پر یہ شہادت دی ہے کہ آخری وقت تک غازی عبدالرشید نے ان سے نہ تو غیر ملکیوں کا ذکر کیا، نہ ان کے توسط سے حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کو محفوظ راستہ دیا جائے، یہ بات نوٹ کرنے کی ہے، یہاں پراسرار طور پر ایک در وزیر، طارق عظیم نمودار ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہیں (یہ امر غور طلب ہے کہ اس روایت کے راوی، تنہا وہی ہیں۔) کہ غازی عبدالرشید نے ان سے کہا کہ حکومت، لال مسجد میں موجود ان کے غیر ملکی ساتھیوں کو بھی محفوظ راستہ مہیا کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طارق عظیم کے بہ قول یہ ایک ایسا مطالبہ تھا، جو ان کے لیے حیران کن تھا اور ظاہر ہے، حکومت یہ مطالبہ ماننے کے لیے، آمادہ نہیں تھی۔ طارق عظیم کا یہ کہنا بجا، مگر یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔ عقل یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ غازی عبدالرشید کو اگر لال مسجد میں ''غیر ملکیوں'' کی ''موجودگی'' کا ذکر کرنا تھا، یا ان کو حکومت سے ان کے لیے محفوظ راستہ چاہیے تھا تو غازی عبدالرشید نے آخر وقت تک، اس مقصد کے لیے چوہدری شجاعت حسین یا مفتی رفیع عثمانی کو اعتماد میں کیوں نہیں لیا؟ یہ اہم مسئلہ غازی عبدالرشید نے طارق عظیم ہی سے Discuss کیوں کیا؟ (حالاں کہ ان میں سے چوہدری شجاعت حسین وہ ہیں، جن سے غازی عبدالرشید نے جامعہ حفصہ کی دو یتیم بچیوں کو کفالت میں لینے کی استدعا کی اور مفتی رفیع عثمانی وہ ہیں جن کی ہدایت پر غازی عبدالرشید نے لال مسجد، جامعہ حفصہ سے دست بردار ہونا بھی منظور کر لیا۔) چوہدری شجاعت حسین نے 10 جولائی کو طلوع سحر سے قبل، میڈیا سے جو آخری بات چیت کی، اس میں بھی ان کا موقف یہی تھا کہ یہ طارق عظیم ہیں، جن کے بہ قول، غازی عبدالرشید نے لال مسجد میں مبینہ طور پر موجود غیر ملکیوں کے لیے Free Passage مانگا ہے اور یہ کہ خود ان کے ساتھ غازی عبدالرشید نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ بعد ازاں جب غیر ملکی اخبار نویسوں کو بریفنگ کے لیے پرائم منسٹر ہاؤس میں مدعو کیا گیا تو یہاں وزیر اعظم شوکت عزیز نے بھی طارق عظیم ہی کی طرف اشارہ کر کے کہا، یہ ہیں وہ جنٹل مین، جن سے ٹیلی فون پر بات چیت میں غازی عبدالرشید نے لال مسجد میں غیر ملکیوں کی موجودگی کا اعتراف کیا اور ان کے لیے Free Passage مانگا۔ طارق عظیم کے موقف کو تقویت دینے کے لیے، حکومت نے طارق عظیم اور غازی عبدالرشید کے درمیان بات چیت کی جو ٹیپ جاری کی ہے، حقیقت یہ ہے، کہ یہ عذر گناہ بدتر از گناہ کی نہایت افسوس ناک مثال ہے۔ اس ٹیپ میں وہ سب کچھ کہاں ہے، جس کا دعوی، طارق عظیم کر رہے ہیں؟ غازی عبدالرشید کا پہلے دن سے یہ موقف رہا ہے کہ لال مسجد کے اندر نہ کوئی غیر ملکی ہے، نہ کالعدم تنظیم سے منسلک کوئی مطلوب آدمی ہے۔ یہ حکومت کا دعوی تھا کہ لال مسجد کے اندر دہشت گرد اور کالعدم تنظیموں سے وابستہ انتہا پسند روپوش ہیں۔ اب اس کے جواب میں غازی عبدالرشید نے متعدد مرتبہ حکومت سے کہا کہ وہ میڈیا اور علما کے سامنے لال مسجد سے باہر آنے کو تیار ہیں اور اگر ہمارے درمیان، کوئی غیر ملکی دہشت گرد یا کالعدم تنظیم کا کوئی مطلوب آدمی موجود پایا گیا، تو حکومت اسے اپنی تحویل میں لے سکتی ہے۔ ظاہر ہے اس کا مطلب کسی نے یہ نہیں لیا اور نہ لیا جا سکتا تھا کہ غازی عبدالرشید، لال مسجد میں غیر ملکیوں کی مبینہ موجودگی کا اعتراف یا ان کے تحفظ کی یقین دہانی چاہتے ہیں۔ حکومت نے غازی عبدالرشید اور طارق عظیم کی بات چیت کی جو ٹیپ جاری کی ہے، اس میں بھی غازی عبدالرشید نے اپنے اسی موقف کا اعادہ کیا ہے، یعنی ''یہاں میرے پاس جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ کے طلبہ و طالبات ہیں، ان کو گھر جانے دیا جائے گا اور اگر کوئی غیر ملکی ہوا تو اس کو حکومت رکھ لے گی۔'' یہ گویا حکومت کے دعوے کے جواب میں جواب دعوی تھا کہ ٹھیک ہے، اگر آپ کہتے ہیں، لال مسجد اور جامعہ کے اندر غیر ملکی یا کالعدم تنظیموں کے مطلوب افراد موجود ہیں تو آپ ان کو اپنی تحویل میں لے سکتے ہیں!! اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ غازی عبدالرشید، لال مسجد میں غیر ملکیوں کی موجودگی کا اعتراف کر رہے ہیں اور ان کے لیے Free Passage طلب کر رہے ہیں، کارے دارد، بلکہ کارے طارق عظیم ہی ہو سکتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔صدر نے قوم کے نام اپنے خطاب میں بہ تکرار کہا کہ غازی عبدالرشید، لال مسجد میں موجود غیر ملکیوں کے لیے Free Passage طلب کر رہے تھے، جو حکومت کے لیے قابل قبول نہیں تھا۔ اگر واقعتاً ایسا ہے تو حکومت کو وہ ٹیپ جاری کرنا چاہیے تھی، جس میں غازی عبدالرشید نے طارق عظیم سے یہ مطالبہ کیا تھا۔ جو ٹیپ جاری کی گئی ہے یہ تو الٹا طارق عظیم کے موقف کی تردید کر رہی ہے۔ اس سے بھی زیادہ حکومت کے لیے سبکی کا پہلو یہ ہے کہ آپریشن کے بعد حکومت، لال مسجد میں غیر ملکیوں کی موجودگی کا ایک ٹھوس ثبوت بھی پیش نہیں کر سکی۔ اس کے برعکس، جن چند نعشوں سے متعلق دعوی کیا گیا کہ یہ غیر ملکیوں کی نعشیں ہیں، ان میں سے 2 قابل شناخت نعشوں کو یہیں ان کے لواحقین نے باقاعدہ شناخت کر لیا ہے، اس پر مستزاد دفتر خارجہ کی ترجمان تسنیم اسلم کا یہ بیان ہے "لال مسجد میں غیر ملکی باشندوں کی موجودگی کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔"

17 جولائی کو دفتر خارجہ کی ترجمان کا یہ بیان، حکومت ہی کے حامی ایک اخبار میں سب سے زیادہ نمایاں طور پر شائع ہوا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کچھ کہنے سننے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

❼ لال مسجد کے خلاف آپریشن سے پہلے بھی اور اب بعد میں بھی ہر طرف سے ایک سوال مسلسل اٹھایا جا رہا ہے یہ کہ لال مسجد میں اتنا اسلحہ اکٹھا کیسے ہوا؟ یہ اسلحہ اکٹھا ہونے کیوں دیا گیا؟ یہاں کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ حکومت نے جواباً پراسرار طور پر کچھ ایسا ردعمل ظاہر کیا جیسے (خود اس) کی دانست میں ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ حکومت کی طرف سے یہ تاثر بھی دیا جا رہا ہے کہ سرکاری فرائض میں غفلت کے مرتکب سرکاری خفیہ کاروں کے خلاف لازماً سخت اقدام ہوگا۔ مگر سوال ہی میں، جو ایک اور سوال چھپا ہوا ہے، اس سے دانستہ صرف نظر کیا جا رہا ہے۔ حالاں کہ یہی دوسرا سوال اہم ہے اور یہی صورت حال کو صحیح طور پر سمجھنے میں ہماری مدد کر سکتا ہے۔ یہ دوسرا سوال یوں ہے کہ لال مسجد میں جمع شدہ اسلحہ ہے کہاں؟ یا گیا کہاں؟ میڈیا سمیت کوئی بھی ذی عقل آدمی یہ ماننے کے لیے آمادہ نہیں کہ لال مسجد آپریشن کے دو دن بعد، جو اسلحہ سجایا گیا اور میڈیا کو دکھایا گیا وہ واقعتاً لال مسجد سے برآمد ہوا ہے۔ بہ قول شخصے یہ تو ایسے ہی ہے جیسے لال مسجد والوں نے یہ اسلحہ چلانے کی غرض سے نہیں، بلکہ آپریشن کے بعد اپنے خلاف سجانے اور اپنے خلاف حکومت کے موقف کو تقویت پہنچانے کے لیے جان کی بازی لگا کر محفوظ کیے رکھا۔ یہ بھی سبھوں کو معلوم ہے کہ لال مسجد، اسلام آباد کے عین قلب میں واقع ہے اور فیصل مسجد سے پہلے، یہی اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد تھی، جہاں ہر خاص و عام آتا اور نماز ادا کرتا۔ یہاں آنے جانے میں کوئی روک ٹوک کوئی رکاوٹ نہیں تھی، سرکاری خفیہ اداروں کے دفاتر بھی اس سے کچھ زیادہ دور نہیں۔ یہ کہنا چاہیے ایک طرف سے یہ دن رات برابر خفیہ اداروں کی نگرانی میں رہتی رہی ہے۔ سو، یہاں بھاری مقدار میں غیر قانونی اسلحہ جمع ہونے کا امکان موجود نہیں تھا اور نہ ہو سکتا ہے۔ گویا نہ عقلاً یہ امر قرین قیاس ہے کہ وفاقی دارالحکومت کے عین وسط میں اور حکومتی ایجنسیوں کے بالکل ناک کے نیچے واقع ایک مسجد میں بھاری مقدار میں اسلحہ اکٹھا ہو پاتا اور نہ یہ سمجھنے کا قرینہ موجود ہے کہ بعد کو نمائش کیا جانے والا بھاری اسلحہ واقعی لال مسجد یا جامعہ حفصہ والوں کی ملکیت تھا۔ (اس معاملے میں ملکی اور غیر ملکی ذرائع ابلاغ کی رائے کم و بیش یک ساں ہے۔) اس کا مطلب یہ ہوا یہاں اس اسلحے کی موجودگی ہی سرے سے مشتبہ ہو جاتی ہے، جس کو بنیاد بنا کے ہر طرف سے بلا سوچے سمجھے یہ سوال اٹھایا جا رہا ہے کہ لال مسجد میں اتنا اسلحہ اکٹھا کیسے ہوا؟ یہ اسلحہ اکٹھا ہونے کیوں دیا گیا؟ حکومت کے لیے اس سوال کا ہر طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اٹھنا اور بار بار کیا جانا، اس لیے سودمند ہے کہ اس سوال میں گویا یہ Assume کر لیا گیا ہے کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں بھاری مقدار میں غیر قانونی اسلحہ موجود تھا، درآں حالے کہ اس کا ٹھوس ثبوت ابھی تک پیش نہیں کیا جا سکا ہے۔ حکومت کے مفاداتی نقطۂ نظر سے یوں اگر خفیہ ایجنسیوں کی کارگزاری کو بھی، میڈیا میں کچھ دیر کے لیے ہدفِ تنقید بنا لیا جاتا ہے، تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں ہے۔ غازی عبدالرشید نے متعدد مرتبہ، حکومت کو پیش کش کی کہ وہ میڈیا کی موجودگی میں اپنا سارا اسلحہ حکومت کے پاس جمع کرانے کے لیے تیار ہیں اور میڈیا کے ساتھ اپنی آخری گفتگو میں بھی انہوں نے زور دے کر کہا کہ ان کے پاس کوئی غیر قانونی اسلحہ نہیں اور جو ہے وہ بہت تھوڑا اور لائسنس یافتہ ہے۔ اگر حکومت غازی عبدالرشید کی یہ پیش کش قبول کر لیتی، تو لال مسجد میں اسلحے کا معما، آپ سے آپ حل ہو جاتا۔ مگر یہ معما کیا حل ہونا تھا، حکومت نے میڈیا کو لال مسجد آپریشن سے کلیتاً بے خبر رکھ کے، اس معمے کو مزید پیچیدہ بنا دیا ہے۔

❽ لال مسجد آپریشن میں کتنے طلبہ و طالبات کی شہادت ہوئی ہے؟ اس سے متعلق حکومت کا موقف تضادات سے عبارت ہے۔ حکومت نے ایک کے بعد، دوسرا موقف اختیار کیا ہے، یہ حکومت ہی کا کہنا تھا (اور بعد میں لال مسجد سے باہر آنے والے طلبا و طالبات کے بیانات سے بھی اس کی تصدیق ہو چکی ہے) کہ آپریشن کے وقت، جامعہ حفصہ کے اندر طلبہ و طالبات کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ آپریشن کے بعد، پہلے تو صاف کہہ دیا گیا کہ اندر کوئی خاتون یا طالبہ نہیں ہے اور یہ کہ غازی عبدالرشید نے جو دعویٰ کیا تھا وہ صحیح نہیں تھا۔ مگر جب شہدائے لال مسجد کو خاموشی سے، چھپانے کے انداز میں زمین کے سینے میں دفن کیا جانے لگا، تو یہ سوال ہر طرف سے نوکِ زباں پر آ گیا کہ حکومت کو یہ سب کچھ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے کہ حکومت کے نقطۂ نظر سے، یہ ایک باقاعدہ جنگ، بھی تھی، تو بھی مقتولین کی لاشیں، لال مسجد کی انتظامیہ یا مقتولین کے لواحقین کے سپرد کی جانا چاہیے تھیں۔ حکومت نے جو راستہ اختیار کیا، وہ بے رحمی کا، سفاکی کا اور انتقام کا تھا۔ لہٰذا اب حکومت کو مسلسل ایک سوال کا سامنا ہے، لاشیں کہاں ہیں؟ حکومت اور حکومتی وزرا کو شاید ابھی اس سوال کا جواب دینے کی چھوٹ مل جائے، مگر یہ سوال ایسا ہے، جو شاید زیادہ دیر تک تشنۂ جواب نہ رہے، اس لیے کہ یہاں جواب، سوال کا تعاقب کر رہا ہے! کہتے ہیں:

جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا

❾ لال مسجد کے خلاف آپریشن کے تناظر میں، حکومت کی جانب سے ایک تواتر کے ساتھ کہا گیا ہے کہ دینی مدرسوں، خاص طور پر، جامعہ حفصہ، جامعہ فریدیہ میں طلبہ و طالبات کی برین واشنگ کی جاتی رہی ہے، ان کو دہشت گردی کی تربیت دی جاتی رہی ہے۔ برین واشنگ کی اصطلاح بھی، امریکا اور یورپ نے مسلمانوں کے خلاف خوب گھڑ رکھی ہے، یعنی اگر مسلمان، اپنے بچوں کو اپنے دین کی تعلیم دیں، سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیں، تو یہ گویا، ان کے بچوں کی برین واشنگ ہے۔ دنیا میں ہر باپ کا یہ ابدی حق ہے کہ وہ اپنے بچے کا مائنڈ اپنے دین، اپنے مذہب کے مطابق سیٹ کرے۔ یہ ایسے ہی ہے، جیسے آدمی، جہاں رہتا ہے اپنی گھڑی کا وقت وہاں کے نظام الاوقات کے مطابق سیٹ کرتا ہے۔ یہ اس کا اخلاقی اور قانونی حق ہے۔ نہ اسے کوئی چھین سکتا ہے، نہ اسے کوئی بدل سکتا ہے۔ غازی عبدالرشید نے، جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدرسے سے نہیں، حکومتی یونی ورسٹی سے تعلیم پائی تھی۔ غور طلب بات یہ ہے، پھر وہ کیا چیز ہے، جس نے غازی عبدالرشید جیسے جدید تعلیم یافتہ نوجوان کو ایک دینی مدرسے کے لیے سینہ سپر کر دیا، یہاں تک کہ اس نے شہادت کو گلے لگا لیا؟

⑩ لال مسجد کے خلاف فوجی آپریشن کی تکمیل کے فوراً بعد، سپہ سالار جنرل پرویز مشرف نے پی ٹی وی پر نمودار ہو کے بہ تکرار کہا کہ غازی عبدالرشید اور ان کے ساتھی (یعنی جامعہ حفصہ کے طلبہ و طالبات) ان سے Safe Passage (محفوظ راستہ) مانگ رہے تھے، جو ان کے لیے قطعاً قابل قبول نہیں تھا۔ غازی عبدالرشید اور ان کے ساتھی (طلبہ و طالبات) لال مسجد اور جامعہ حفصہ سے پُرامن طور پر باہر نکلنے کے لیے حکومت سے جس یقین دہانی کے طلب گار تھے، کیا اسے Safe Passage مانگنے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ یہ سوال ایسا ہے کہ اس پر غور کیا جانا چاہیے، اس لیے کہ Safe Passage مانگنے کا مطالبہ، ہمیشہ سے ایسے فرد یا افراد کی جانب سے سامنے آیا ہے، جو اچانک کہیں زبردستی قبضہ کر لیتے ہیں اور وہاں موجود افراد کو گن پوائنٹ پر اپنا یرغمال بنا لیتے ہیں اور عموماً ان کا بنیادی مطالبہ، اپنے ساتھیوں کی حکومتی قید سے رہائی ہوتا ہے۔ اس کی مثال ہائی جیکنگ ہے، جیسے 81ء میں (بے نظیر بھٹو کے بھائی) مرتضیٰ بھٹو کی دہشت گرد "الذوالفقار" تنظیم کے ایک سرگرم رکن ٹیپو نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر گن پوائنٹ پر پی آئی اے کا طیارہ اغوا کر لیا تھا۔ پھر اسے پہلے شام اور بعد میں کابل لے جایا گیا۔ یہ ان کے مطالبات تھے:

❶ پیپلز پارٹی کے سزا یاب راہ نماؤں اور کارکنوں کی رہائی، جو پاکستان کی مختلف جیلوں میں قید کاٹ رہے تھے۔

❷ سرغنہ ٹیپو سمیت طیارہ اغوا کرنے والوں کے لیے Safe Passage۔ (یاد رہے، ہائی جیکروں نے اپنی شرائط منوانے کے لیے ایک بے گناہ مسافر کیپٹن طارق رحیم کو قتل کر کے، اس کی لاش جہاز سے باہر پھینک دی تھی، جس کے بعد حکومت پاکستان نے ہائی جیکروں کی طرف سے فراہم کی جانے والی فہرست میں شامل پیپلز پارٹی کے راہ نماؤں اور کارکنوں کو نہ صرف رہا کیا، بلکہ باقاعدہ ایک جہاز میں بھر کے بہ حفاظت کابل روانہ کیا تھا۔ ہائی جیکر ٹیپو اور ان کے ساتھیوں کو Safe passage دیا گیا۔) یہ ہے Safe Passage اور اس کا پس منظر۔ آیئے اب اس تناظر میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ کا معاملہ دیکھتے ہیں۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ:

❶ لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں نہ کوئی یرغمال تھا، نہ کوئی یرغمال بنانے والا تھا۔

❷ لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں جو افراد موجود تھے، وہ پہلے سے یہاں موجود تھے، گن پوائنٹ پر کہیں سے اغوا کر کے انہیں یہاں نہیں لایا گیا تھا۔

❸ نہ غازی عبدالرشید نے حکومت سے اپنے کسی ساتھی کی رہائی کا مطالبہ کیا، نہ یہ مطالبہ پورا نہ ہونے کی صورت میں کسی کو جان سے مار دینے کی دھمکی دی اور نہ یہ مطالبہ کیا کہ ان کو بہ حفاظت ملک سے باہر جانے دیا جائے۔

یہ کہنا چاہیے Safe Passage کی اصطلاح کا یہاں کسی طور اطلاق ہوتا ہی نہیں ہے۔ یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ لال مسجد آپریشن میں Safe Passage کی اصطلاح کا استعمال، زیادہ تر حکومتی مشینری کی جانب سے ہوا، یا پھر میڈیا نے اس اصطلاح کو اچھالا (جو امر واقعہ میں بدقسمتی سے امریکہ کے روشن خیال ایجنڈے کو آگے بڑھانے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الیکٹرانک میڈیا، جنرل پرویز مشرف سے پیچھے نہیں ہے۔) غازی عبدالرشید کے موقف میں Safe Passage مانگنے کا کہیں ذکر نہیں ہے (اس کا ایک ثبوت ان کی وہ گفت گو ہے، جو خود میڈیا ہی نے نشر کی ہے۔) اس کے برعکس، غازی عبدالرشید کا موقف یہ معلوم ہوتا تھا کہ وفاق المدارس کی ہدایت پر وہ لال مسجد، جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ سے دست بردار ہونے کے لیے تیار ہیں، بہ شرطے کہ حکومت ان کو اور جامعہ حفصہ میں محصور طلبہ وطالبات کو گرفتار نہ کرنے کی یقین دہانی کرائے۔ باقی جہاں تک، جوڈیشل انکوائری کا تعلق ہے، اس کا مطالبہ تو پہلے خود انہیں کی طرف سے کیا گیا۔ ظاہر ہے جوڈیشل انکوائری کا مطلب یہی تھا کہ عدالت میں وہ حکومت کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہیں، بہ شرطے کہ حکومت ان کو اور جامعہ حفصہ میں محصور طلبہ وطالبات کو گرفتار نہ کرنے کی یقین دہانی کرائے۔ سمجھ میں نہیں آتا ہے اس میں Safe Passage کہاں ہے!!! Safe Passage کا مطلب ہوتا ہے، قانون کا سامنا کرنے سے مکمل انکار۔ یہاں تو یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ قانون کو بروئے کار آنے کا موقع دیا جائے اور لال مسجد کے معاملے کی تحقیقات کے لیے آزاد عدلیہ کمیشن قائم کیا جائے۔ گرفتاری نہ دینے اور آزادانہ طور پر عدالت میں پیش ہونے کی شرط کو، Safe Passage کا مطالبہ کہنا نہ اصولاً صحیح ہے، نہ قانوناً درست ہے۔ (معلوم ہوتا ہے، Safe Passage کی تکرار سے، یہ تاثر دینا مقصود تھا، جیسے لال مسجد، ہائی جیکر ٹائپ افراد کے قبضے میں ہے اور حکومت لال مسجد کو ان افراد سے ''آزاد'' کرانا چاہتی ہے، یہ گویا فوجی آپریشن کے لیے ایک جواز گھڑا جارہا تھا۔)

11 لال مسجد آپریشن سے پہلے اور بعد میں Safe Passage (محفوظ راستہ) کے ساتھ ساتھ، ایک اور اصطلاح جس کا بہت چرچا ہوا، وہ ہے State Within State (یعنی ریاست کے اندر ریاست۔) کیا لال مسجد اور جامعہ حفصہ پر واقعتاً State within State (یعنی ریاست کے اندر ریاست) کا اطلاق ہوتا ہے، یا ہونا چاہیے؟ آدمی سوچتا ہے اور حیران ہوتا ہے ہزاروں مربع میل پر محیط ایک ایٹمی ریاست کو دو چار کنال رقبے پر مشتمل ''ریاست'' (جس میں اساتذہ ہیں جو درس قرآن اور درس حدیث دیتے ہیں اور جہاں قال اللہ اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائیں گونجتی ہیں) سے کس طرح کا خطرہ درپیش تھا؟ نہ اس ''ریاست'' کے پاس اپنی حفاظت کے لیے قابل ذکر اسلحہ ہے، نہ اس کا الگ سے آئین یا قانون ہے (لال مسجد سے متصل اراضی کے قانونی اور غیر قانونی ہونے کے معاملات فیصلہ ہونے کے لیے، عام مقدمات کی طرح عام عدالتوں میں زیر التوا پڑے ہوئے ہیں۔ لال مسجد کے بجلی، پانی، گیس اور ٹیلی فون بل بھی اسی طرح موصول ہورہے تھے اور جمع کرائے جارہے تھے، جیسے باقی کے شہریوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ نہ ایسی کوئی مثال موجود ہے کہ لال مسجد انتظامیہ نے یوٹیلیٹی بل کی وصولی سے، یا اسے جمع کرانے سے انکار کیا ہو۔ اس کے لیے جو بھی حکومتی طریق کار موجود تھا، اسی کے مطابق عمل کیا جارہا تھا۔) جب یہاں ایسا کچھ بھی نہیں ہے تو State within State (ریاست کے اندر ریاست) کا معاملہ بیچ میں کہاں سے آگیا؟ حکومت نے تو State within State (ریاست اندر ریاست) کا راگ جو الاپا، سو الاپا، الیکٹرانک میڈیا نے اسے جو رنگ دیا وہ زیادہ افسوس ناک تھا۔ دیکھنے میں یہ آتا رہا، جیسے ہی لال مسجد کا محاصرہ ختم ہونے کی کچھ امید پیدا ہوتی، چند لوگ خفیہ کاروں کے لب ولہجے اور مصنوعی غم وغصے کے ساتھ پھر سے State within State (ریاست اندر ریاست) کی دہائی دینا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شروع کردیتے۔ حکومت پُراسرار طور پر پہلے کچھ پس وپیش کرتی، پھر ان کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کردیتی۔ ظاہر ہے، یہ ایک پروپیگنڈہ تکنیک تھی اور اس کا مقصد لال مسجد کے خلاف فوجی آپریشن کو یقینی بنانا تھا۔ ورنہ کہاں ایک ایٹمی ریاست اور کہاں جامعہ حفصہ کی ریاست؟ کیا کوئی آدمی بہ قائمی ہوش وحواس کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں کی، حیثیت اور طاقت میں کچھ بھی نسبت ہے۔؟ State within State کا مطلب ہوتا ہے، ایک ریاست کے اندر ایک ایسی ریاست، جس کا اپنا آئین ہو، جس کی اپنی فوج ہو، جس کی اپنی سرحدیں ہوں، جہاں آزادانہ طور پر نہ کوئی آ سکتا ہو نہ کوئی جا سکتا ہو۔ یہاں ایسا معاملہ سرے سے تھا ہی نہیں۔ خامہ انگشت بہ دنداں اسے کیا لکھیے!

12 حکومت کا دعوی ہے اس نے میڈیا کو مکمل آزاد کردیا ہے۔ اس دعوے میں کتنی حقیقت ہے، کتنا فسانہ ہے؟ یہ ایک الگ موضوع ہے، مگر لال مسجد کے سانحے نے یہ واضح کردیا ہے کہ سردست جنرل حکومت میڈیا کو حقائق تک رسائی کا آزادانہ موقع دینے، بہ الفاظ دیگر ''میڈیا سرینڈر پوائنٹ'' سے آگے جانے کی اجازت دینے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ یہ میڈیا رپورٹنگ کا Failure نہیں تو اور کیا ہے کہ لال مسجد کا محاصرہ ہونے کے بعد، لال مسجد کے مکینوں، مردوں، عورتوں، بچوں اور بچیوں پر کیا بیتی؟ کچھ معلوم نہیں، جامعہ حفصہ میں دن کیسے نکلتا تھا، شام کیسے ڈھلتی تھی اور رات کس طرح بیتتی تھی؟ ان کے پاس پیٹ بھرنے کے لیے کچھ ہوتا تھا، یا نہیں ہوتا تھا؟ وہ کیا سوچ رہے تھے، وہ کیا کہنا چاہ رہے تھے؟ آخری رات ان پر کیا گزری اور آخری دن ان کا کیسے کٹا؟ میڈیا رپورٹنگ میں نہ اس کا ذکر تھا نہ اس ذکر کے نہ ہونے کا ملال تھا۔ اس کا اعتراف، بی بی سی نے بہ ایں الفاظ کیا ہے:

''مسجد کے شمال مشرق میں کورڈ مارکیٹ کے قریب، مدرسے سے رضا کارانہ طور پر نکلنے والوں کے لیے سرینڈر پوائنٹ پر صحافیوں کی سہولت کے لیے (حکومت نے) ایک کیمپ لگا دیا، جو سہولت کم اور سرینڈر زیادہ تھا۔ حکومت نے تو جو کیا، سو کیا، صحافی بھی کافی مطمئن اور خوش دکھائی دیے۔ اسلام آباد کے یہ صحافی، ملک کے دوسرے علاقوں کے صحافیوں سے زیادہ تعلیم یافتہ اور دانش مند سمجھے جاتے ہیں، مگر اس ''سپون فیڈنگ'' پر کسی نے اعتراض نہ کیا۔ اخباری کانفرنسوں، پارلیمان کے اجلاسوں اور عشائیوں کی کوریج کرنے والے ان صحافیوں کی اکثریت کے لیے ایسی جنگی کیفیت میں رپورٹنگ کا شاید یہ پہلا تجربہ تھا۔ صحافی تو ہر طرح کے حالات میں، واقعات کی جڑ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، سچائی تلاش کرتا ہے اور آنکھوں دیکھی چیز ہی پر یقین کرنے اور اسے رپورٹ کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن یہاں سرینڈر پوائنٹ پر اسے جو ملا، اس نے اسے خوشی خوشی وصول کیا اور (بغیر تصدیق کیے) آگے پھیلا دیا۔ (یہ کہنا چاہیے) رپورٹنگ مکمل طور پر یک طرفہ رہی۔ دیکھنے میں یہی آیا جو بھی حکام کہتے، یا بتاتے، صحافی اسے ویسے ہی نشر یا شائع کردیتے۔ صحافتی آزادی کی دعوے دار اس حکومت نے ملک کی تاریخ میں شاید پہلی بار صحافیوں کو زخمیوں سے دور رکھنے کے لیے ہسپتالوں میں ان کے داخلے بھی بند کر دیے، جہاں سے شاید تصویر کا دوسرا رخ مل سکتا تھا۔ صحافیوں کو گولی مار دینے کی دھمکیاں دے کر ہٹا دیا گیا۔ لال مسجد کا واقعہ، کوریج کے اعتبار سے، ملکی تاریخ میں کنٹرولڈ کوریج کی بدترین مثال ہے۔''

بی بی سی کے اس اعتراف سے واضح ہو جاتا ہے کہ میڈیا کو لال مسجد کے اندر کی صحیح صورت حال سے واقف ہونے کا موقع نہیں ملا۔ اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غازی عبدالرشید، اپنے طور پر میڈیا تک اپنا موقف پہنچانے کا خطرہ مول نہ لیتے تو شاید اس سانحے سے متعلق کسی کو کچھ بھی معلوم نہ ہو پاتا۔ صرف یہی نہیں، میڈیا رپورٹنگ کھل کے یہ بتانے سے بھی گریزاں ہے کہ آنٹی شمیم نامی عورت کا پیشہ کیا ہے؟ چینی مساج سینٹر کے کام کی نوعیت کیا ہے؟ حتی کہ حکومتی اہل کاروں کو یرغمال بنائے جانے کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا؟ ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے!!!

13 لال مسجد کے مکینوں کا مطالبہ کیا تھا؟ صرف یہ کہ مملکتِ خداداد پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں، مساجد کو گرانے کی گھناؤنی مہم بند کی جائے اور جو مساجد گرائی جا چکی ہیں، ان کو از سرِ نو تعمیر کیا جائے، سوال یہ ہے اس میں غلط کیا ہے؟ حکومت کا کہنا ہے کہ ان مساجد کی تعمیر غیر قانونی ہے، یا جن زمینوں پر انہیں تعمیر کیا گیا ہے، وہ حکومت کی یا کسی اور کی ملکیت ہیں۔ پہلی بات، یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حکومت کا یہ دعویٰ مکمل طور پر درست نہیں ہے، مثلاً: بہ قول برادرم حامد میر کے، منہدم کی جانے والی ایک مسجد کم سے کم سو سال پرانی ہے۔ اس کا مطلب ہوا، جس مسجد کی زمین اور تعمیر پر فرنگی حکومت نے اعتراض وارد نہیں کیا، مشرف حکومت نے اسے بھی گرا دیا ہے۔ ﴿إنا للّٰه وإنا إليه راجعون﴾ اصولاً ہونا یہ چاہیے تھا، جن مساجد کی زمین کی ملکیت سے متعلق، حکومت کو شکوک وشبہات لاحق تھے، ان کے مستقبل کا فیصلہ کرنے سے پہلے، علمائے کرام اور مفتیان صاحبان سے بامقصد مشاورت کی جاتی۔ آخر کو یہ شاپنگ پلازے نہیں، خدا کے گھر تھے۔ ان مساجد کو گرانے کے بہ جائے، زمین کی قیمت کا تعین کر کے، یا تو حکومت خود اسے ادا کرتی اور اگر اس کے لیے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے خزانے میں گنجائش نہیں تھی اور اس سے زر مبادلہ کے ذخائر کم ہو جانے کا اندیشہ تھا، تو اہل پاکستان سے کہا جاتا وہ ان مساجد کی زمینوں کی قیمت بہ خوشی بھر سکتے تھے۔ کیا یہ ضروری تھا کہ اس کے لیے لال مسجد کے میناروں کو شہید کر دیا جائے، جامعہ حفصہ کے در و دیوار کو معصوم طلبہ وطالبات کے خون سے رنگین کر دیا جائے اور اسلام آباد میں ایک تازہ کربلا برپا کر دی جائے۔

سبھی جانتے ہیں، جامعہ حفصہ میں غریب، نادار اور مفلوک الحال گھروں کے بچے زیر تعلیم تھے۔ ایسے بچے اور بچیاں بھی تھے، جو یتیم تھے، اُن کے سر پر ماں باپ کا سایہ نہیں تھا۔ بہ قول جنرل مرزا اسلم بیگ کے، پھر ان میں وہ بے سہارا بچے اور بچیاں بھی تھیں، جن کے گھر، پہلے ہی ایک خوف ناک زلزلے سے صفحۂ ہستی سے مٹ چکے تھے۔ ان کے آگے پیچھے کوئی نہیں بچا تھا۔ اب ان کا گھر جامعہ حفصہ ہی تھا۔ نہ ان کو کوئی لینے آیا، نہ موت کے بعد ان کا کوئی وارث سامنے آیا۔ (یہ تو لاوارث اور یتیم بچے تھے، جن کا خون ارزاں سمجھ کے بے دردی سے بہا دیا گیا۔) یہ کون بخت تھے؟ جنھوں نے اپنے گھروں کا گرنا تو اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کر لیا، مگر جنھیں اللہ کے گھروں کا گرنا، گوارا نہیں تھا، اس کے لیے وہ لڑنے اور کٹ مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ امت مسلمہ کے مرثیہ خواں علامہ اقبالؒ کی زندۂ جاوید نظم ''جواب شکوہ'' کا یہ بند، (جس میں تمثیلاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے، امت مسلمہ کو مخاطب کیا گیا ہے) شاید اسی دل گداز سانحے کے لیے کہا گیا ہے:

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا، تو غریب — زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا، تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا، تو غریب — پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا، تو غریب
امرا نشۂ دولت سے ہیں غافل ہم سے — زندہ ہے ملتِ بیضا غربا کے دم سے

☆......☆......☆

© rasailojaraid.com